آراضی ہند کی شرعی حیثیت
عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں

(۱)

جناب ظفر الاسلام صاحب شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

شرعی نقطۂ نظر سے ہندستان کی آراضی کی نوعیت کا تعین ایک اہم موضوع ہے جس پر مختلف دور میں اظہار خیال ہوتا رہا ہے۔ عہد وسطی کے ہندستان میں متعدد علماء کی تحریری صلاحیتیں اس مسئلہ کی وضاحت میں صرف ہوئیں اور دور جدید میں بھی ہندستانی علماء کی فقہی مباحث میں اسے مقبولیت حاصل رہی ہے۔ لیکن دونوں دور کی بحثوں میں ایک نمایاں فرق یہ نظر آتا ہے کہ عہد وسطی میں اس موضوع پر اظہار خیال کا خاص مقصد زمین کی ملکیت کے مسئلہ کو واضح کرنا تھا اور عہد جدید میں علماء کا مطمح نظر مسلمانوں کے لئے عشر یا خراج کی واجبیت پر روشنی ڈالنا ہوتا ہے۔ مغل دور میں جن علماء نے آراضی ہند کی شرعی حیثیت کو اپنی تالیفات کا موضوع بنایا ہے ان میں قابل ذکر اکبر کے ہمعصر شیخ جلال الدین تھانیسری ــــ اور اورنگ زیب عالمگیر کے ہمعصر قاضی محمد اعلی تھانوی ہیں۔ اول الذکر

کے خیالات رسالہ دربیع اراضی[۱] اور مؤخر الذکر کے رسالہ احکام الآراضی[۲] میں محفوظ ہیں۔ ان رسائل کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہ صرف اپنے مؤلف کے افکار پر روشنی ڈالتے ہیں بلکہ مؤلف کے ہمعصر دیگر علمار کے نقطۂ نظر سے ہمیں واقف کرتے ہیں۔ پہلے شیخ جلال الدین کے خیالات کا جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کے افکار زیر بحث آئیں گے اور اس ضمن میں دونوں کے خیالات ونتائج کا تقابلی مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

---

[۱] یہ رسالہ عربی زبان میں ہے، اس کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (شیفتہ کلکشن، فقہ عربیہ ۲۴۲/۲۶) مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ میں محفوظ ہے۔ اس کے دوسرے قلمی نسخے مکتبہ دار العلوم، سہارنپور اور مخزونہ مفتی الٰہی بخش میں موجود ہیں۔ سب سے پہلے اس کا ایک لیتھوگراف ایڈیشن "تحقیق آراضی ہند" کے نام سے مطبع احمدی مراد آباد سے ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن اب نایاب ہے لیکن اس کی ایک نقل دار المصنفین اعظم گڈھ میں موجود ہے۔ اسی ایڈیشن کی بنیاد پر اس رسالہ کا دوسرا متن سید سعید اشرف ندوی کے اردو ترجمہ کے ساتھ "تحقیق آراضی ہند" کے نام سے دائرہ معین المعارف، کراچی سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا ہے لیکن متن میں بے شمار غلطیاں ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مولانا آزاد لائبریری کے نسخہ کے علاوہ دیگر مطبوعہ وغیر مطبوعہ نسخے "تحقیق آراضی ہند" یا "تحقیق آراضی ہند" کے نام سے ملتے ہیں۔ مؤرخین و فہرست نگاروں نے عام طور سے اسی نام کا ذکر کیا ہے۔ خاکسار نے اس رسالہ کا ایک انتقادی متن تیار کیا ہے جو انشاء اللہ عنقریب شائع ہو جائے گا۔

[۲] اس رسالہ اور اس کے مصنف کی بابت تفصیلات مصنف کے خیالات پر بحث کرتے ہوئے اس مضمون کی دوسری قسط میں دی جائیں گی۔

شیخ جلال الدین تھانیسری چشتی سلسلہ کی صابری شاخ کے مشہور بزرگ ہیں۔ متعدد تاریخی کتب[1] اور علماء وصوفیاء کے تذکروں[2] میں ان کے حالات ملتے ہیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں کی روایت کے مطابق ان کے آباء واجداد بلخ[3] کے رہنے والے تھے اور بعض کے نزدیک

---

۱ ملاحظہ کیجئے عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، سنہ ۱۸۶۹ء، جلد سوم، ص ۳-۴، ابو الفضل اکبر نامہ، کلکتہ، سنہ ۱۸۸۶ء، جلد سوم، ص ۳۴۱-۳۴۲، نظام الدین احمد بخشی، طبقات اکبری، کلکتہ، سنہ ۱۹۳۱ء، جلد دوم، ص ۴۷۳، احمد یادگار، تاریخ شاہی، کلکتہ، سنہ ۱۹۳۹ء، ص ۳۵۵-۳۵۶، معتمد خاں، اقبالنامہ جہانگیری، لکھنؤ، سنہ ۱۲۸۶ھ، ص ۳۴۵۔

۲ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، دہلی، سنہ ۱۲۸۳ھ، ص ۲۷۳، امین احمد رازی، ہفت اقلیم، کلکتہ، سنہ ۱۹۶۳ء، جلد دوم، ص ۴۶۲، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، لکھنؤ، سنہ ۱۳۰۲ھ، ص ۱۰۳-۱۰۴، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، مخطوطہ (مولانا آزاد لائبریری) حبیب گنج کلکشن، ۲۲/۵ ورق ۲۷۳ ب، محمد صادق ہمدانی، طبقات شاہجہانی، مخطوطہ (مولانا آزاد لائبریری) حبیب گنج ۲۲/۴۶ ورق ۱۹۴، دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، سنہ ۱۸۷۳ء، ص ۱۰۱-۱۰۲، الہ دیا، سیر الاقطاب، لکھنؤ، سنہ ۱۹۱۳ء، ص ۲۱۸-۲۲۰، عبد الرحمن چشتی، مراۃ الاسرار، مخطوطہ (مولانا آزاد لائبریری)، عبد السلام، ۹۳۴/۹، ورق ۳۴۳ الف-ب، وجیہ الدین اشرف، بحر زخار، مخطوطہ، ورق ۳۲۷-۳۲۸ رحمن علی خاں، تذکرہ علماء ہند، لکھنؤ، سنہ ۱۹۱۴ء، ص ۴۰-۴۱، سید عبد الحی نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، سنہ ۱۹۵۴ء، الجزء الرابع، ص ۴۲

۳ شیخ عبد الحق محدث (اخبار الاخیار، محولہ بالا) نے ان کی اصل کابل بتائی ہے۔

ان کا سلسلۂ نسب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے[1]۔ ان کی تاریخ پیدائش کہیں مذکور نہیں۔ البتہ ان کی تاریخ وفات عام طور پر ۳ ذی الحجہ ۹۸۹ھ (۸ جنوری ۱۵۸۲ء) درج کی گئی ہے۔ شیخ جلال الدین علمی انہماک، تقویٰ اور تصوف میں استغراق کے لیے مشہور تھے۔ مروجہ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ درس و تدریس، افتاء اور تصنیف و تالیف کے مشاغل میں مصروف ہوتے اور ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۱۴۵۶۔۔۔۱۵۳۷) کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کے بعد جب بیشتر اوقات عبادت و ریاضت میں بسر ہونے لگے تو لازماً ان مشاغل میں توجہ کم ہو گئی۔ تصوف کی راہ میں بھی اس درجہ مہارت حاصل کی کہ شیخ عبدالقدوس کے خلیفۂ اعظم کے مقام سے سرفراز ہوئے[2]۔ شیخ جلال الدین کی گوناگوں شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ارباب حکومت سے بھی ان کی راہ و رسم قائم رہی۔ کم از کم دو بار وہ "مدد معاش" کے بعض مسائل کے حل کے لئے شاہی دربار میں حاضر ہوئے تھے[3]۔ خود اکبر کی ان سے تھانیسر میں دو ملاقاتیں

---

[1] سیر الاقطاب، محولہ بالا، ص ۲۱۸، بحر زخار، محولہ بالا، ورق ۳۲۷، محمد اکرم، اقتباس الانوار، مخطوطہ (علی گڈھ) ورق ۲۳۱ الف۔

[2] شیخ عبدالقدوس کے خطوط کے مجموعہ مکتوبات قدوسیہ میں ان کے بیشتر خطوط شیخ جلال الدین کے نام ملتے ہیں۔ ان کے مطالعے سے دونوں کے درمیان گہرے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

[3] پہلی بار اپنے مرشد کی ہدایت پر ان کے فرزند شیخ احمد کے ساتھ ہمایوں کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا تھا (مکتوبات قدوسیہ، دہلی، ۱۳۰۷ھ، مکتوب ۱۴۲، ص ۳۳۹) دوسری بار اکبر کے عہد میں ۹۶۹ھ (۱۵۶۱۔۱۵۶۲) میں تھانیسر کے مدد معاش والوں کی سفارش کے لئے خود اپنے طور پر دربار میں حاضر ہوئے تھے۔ (عبدالقادر بدایونی، محولہ بالا، جلد سوم، ص ۲۰، مؤرخ کے بیانات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی تھی کہ نہیں اور یہ کہ اس سفر کا نتیجہ کیا رہا۔

تاریخی ماخذ سے ثابت ہیں۔ پہلی بار اپنے عہد کی ابتدا میں بیرم خاں کی اتالیقی کے دوران جب ۱۵۵۶ء میں ہیمو کے خلاف فوجی مہم پر جاتے ہوئے رخصت ہوتے وقت دونوں نے دشمن کے خلاف فتح و کامرانی کے لئے شیخ سے دعا کرنے اور اپنی حمایت ظاہر کرنے کی درخواست کی۔[۱] دوسری بار ۱۵۸۱ء میں اپنے بھائی مرزا محمد حکیم کی بغاوت کچلنے کے لئے پنجاب جاتے ہوئے تھانیسر میں قیام کے دوران اکبر نے ابوالفضل کی معیت میں شیخ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور توحید کے مسئلے پر ان سے گفتگو بھی کی۔ شیخ نے بعض اشعار کے ذریعہ اس مسئلہ کی وضاحت پیش کی۔[۲] جہاں تک شیخ جلال الدین کی تالیفات کا تعلق ہے رسالہ در بیع آراضی کے[۳] علاوہ دو اور رسالے "ارشاد الطالبین"[۴] اور "تفسیر سورۂ والتین"[۵] ان سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے عام طور پر صرف ارشاد الطالبین کا ذکر کیا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک شیخ جلال الدین کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو

۱؎ احمد، یادگار، تاریخ شاہی، محولہ بالا، ص ۳۵۵-۳۵۶۔

۲؎ ابوالفضل، اکبرنامہ، جلد سوم ص ۳۴۱-۳۴۲، معتمد خاں، اقبال نامۂ جہانگیری، محولہ بالا، ص ۳۴۵

۳؎ اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری، سلیمان کلکشن نمبر ۱/۱۱ میں محفوظ ہے۔ یہ رسالہ تصوف کے مسائل سے متعلق ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں (محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیاء ہند، ص ۶۱-۶۲) نے اسے ان کے خطوط کا مجموعہ بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ان کے خطوط کے مجموعے کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کے کسی خاص نام کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ سید عبدالحئی (نزہتہ الخواطر، جزء رابع، ص ۵۵) نے ان کے ایک اور رسالہ ارشاد اللطائف کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کوئی تذکرہ کہیں اور نہیں ملتا۔

۴؎ ملاحظہ کیجئے: ایتھ کا مرتب کردہ انڈیا آفس لائبریری کا کیٹیلاگ (نمبر ۱۹۲۴) اور اسٹوری پرشین لٹریچر جلد اول، حصہ اول، ص ۱۷

تصوف اور اس کی تعلیمات سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ اسی لئے انھوں نے صرف ارشاد الطالبین کے ذکر پر اکتفا کیا جو تصوف کے مسائل کی تشریح پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔

رسالہ در بیع آراضی جو اس مضمون کے موضوع کے اعتبار سے سب سے اہم ہے کب تحریر کیا گیا اس کی صراحت کہیں نہیں ملتی البتہ اس کی تالیف کا جو پس منظر بیان کیا گیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدد معاش کی آراضی میں بادشاہ کے تصرفاتی اقدام کے بعد لکھا گیا ہوگا[1]۔ بہرحال یہ تو مسلم ہے کہ اس کی تالیف اس دور سے پہلے عمل میں آئی ہوگی جب شیخ تصوف کی دنیا میں داخل ہو کر تدریس اور تصنیف جیسے مشاغل سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ معاصر مؤرخ عبدالقادر بدایونی نے ۱۵۷۴ء میں تھانیسر میں شیخ سے ملاقات کے بعد ان کو "مجسم تودۂ نور" سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عزلت نشینی اور ریاضت کا دور اس سے کچھ پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے اغلب یہی ہے کہ یہ رسالہ ۱۵۶۳ء اور ۱۵۷۲ء کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہوگا۔ شیخ جلال الدین نے یہ رسالہ مدد معاش کی زمینوں پر ان لوگوں کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے تحریر کیا تھا جن کو بادشاہ کی جانب سے یہ عطا ہوتی تھیں[2] لیکن شیخ نے درحقیقت آراضی ہند کی شرعی حیثیت

---

[1] اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[2] مذہبی لوگوں اور ارباب علم و فضل کو ان کی خدمات کے صلہ میں یا عام مستحقین کو ان کے سہارے کے طور پر زمین کی صورت میں عطیہ دینا مسلم حکمرانوں کی عام روش رہی ہے۔ عہد سلطنت میں اس طرح کے عطایا کو "انعامات، و املاک" اور مغل دور میں "مدد معاش یا سیورغال" سے تعبیر کیا جاتا تھا (ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء، ص ۲۴۸، ۲۸۳، ۳۸۲، ۴۳۸-۴۳۹، ۵۵۸، فتوحات فیروز شاہی، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء، ص ۱۷، ابوالفضل، آئین اکبری، لکھنؤ، ۱۸۹۲ء، ص ۱۴۰-۱۴۱، اکبر نامہ، جلد سوم، ص ۲۴۴، بدایونی، محولہ بالا، جلد دوم، ص ۲۹-۳۰، ۲۰۵، ۲۵۴۔

پر مفصل بحث کی روشنی میں اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ یہ رسالہ اس موضوع پر بھی مؤلف کے خیالات کی مکمل وضاحت پیش کرتا ہے۔ مؤلف کی یہ بحث اس لحاظ سے کافی اہم ہے کہ اس میں فقہی استدلال کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات اور معاصر حالات سے بھی نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

آراضی ہند کی شرعی حیثیت سے متعلق شیخ جلال الدین کی پوری بحث کا محور یہاں کی آراضی کو غیر مملوکہ کے زمرہ میں شامل کرکے بیت المال کی ملک قرار دینا ہے۔ اس مفروضہ کو ثابت کرنے کے لئے شیخ جلال الدین نے استدلال کے مختلف پیرایے اختیار کیے ہیں۔ سب سے پہلے وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہندستان تقریباً چار سو سال قبل فتح ہوا[۱] اور ہمیں یہ علم نہیں کہ اس وقت کون سے علاقے آباد تھے اور کون سے غیر آباد خاصکر اس صورت حال میں کہ زمین کے اصل قابضین میں سے کچھ تو نیست و نابود ہو گئے اور جو باقی بچے وہ مسلمانوں کی فاتحانہ قوت اور غالبیت کو دیکھ کر یا قحط و وبا کی شدت محسوس کرکے اپنے اصل علاقوں سے دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے اور وہاں سکونت اختیار کرلی[۲]۔ اس طرح ان کی زمینیں مہمل و متروک ہو گئیں۔ شیخ جلال الدین کی نظر میں ان زمینوں کی نوعیت غیر مملوک کی سی ہوئی اس لئے کہ ان کے اصل مالک کا کچھ پتہ نہیں[۳]۔ اس صورت حال کو دوسرے انداز

۱۔ اس سے مراد غالباً معز الدین محمد بن سام (شہاب الدین محمد غوری) کی فتوحات ہیں جو ۱۱۷۵ء اور ۱۱۹۲ء کے درمیان ظاہر ہوئیں، تفصیل کے لئے منہاج السراج، طبقات ناصری، کابل ایڈیشن، جلد اول، ص ۳۹۵۔ ۴۰۷

۲۔ رسالہ در بیع اراضی، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، شیفتہ کلکشن، فقہ عربیہ، ۲۴/۲۶ ورق ۲ الف، شیخ جلال الدین نے اس صورت حال کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں پیش کیا ہے۔ محض "عام روایت" اور "خبر مشہور" پر انحصار کیا ہے۔

۳۔ رسالہ در بیع آراضی، ورق ۲ ب۔

میں پیش کرتے ہوئے شیخ جلال الدین نے "خبر مشہور" کی بنیاد پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مفتوحہ علاقوں کی آراضی نہ تو غانمین میں تقسیم کی گئی اور نہ شرعی اصول کے مطابق سابق مالکین کی ملکیت برقرار رکھی گئی۔[1] اس کلیہ سے وہ محض کچھ آراضی کو مستثنیٰ کرتے ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا انھوں نے غانمین کے درمیان آراضی کی تقسیم نہ کیے جانے کا ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ لیکن خراج کے عوض سابق مالکین کی ملکیت کی بحالی کے خلاف قرائنی شواہد سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اول تو اس امر کا وقوع کسی ذریعہ سے یقینی طور پر ثابت نہیں ہے۔ دوسرے فتح جن حالات میں انجام پاتی رہی ان میں ان کی ملکیت کو باقی رکھنے کے واقعہ کا پیش آنا ناممکن نظر آتا ہے۔ ہندستان کے کفار نے کفر میں اپنی شدت کی وجہ سے مسلم فاتحین کے تئیں انقیاد اور قبول جزیہ کا پہلو بہت کم اختیار کیا بلکہ مقابلہ کرنا اور برسرپیکار ہونا زیادہ پسند کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ برپا ہوئی جس میں کچھ مقتول ہوئے اور کچھ قیدی بنائے گئے باقی شکست کھا کر اِدھر اُدھر فرار

---

[1] یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حنفی مسلک کے مطابق ان علاقوں میں جہاں فتح بزور حاصل ہو امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے تو وہاں کی زمینوں کو فاتح فوج میں تقسیم کردے، اس صورت میں وہ زمین عشری ہو گی یا مناسب سمجھے تو سابق مالکین کے قبضہ میں چھوڑ دے اور ان پر خراج عائد کرے۔ اس صورت میں وہ زمین خراجی ہو گی اور ان کی ملک قرار پائے گی۔ امام شافعی کے نزدیک دوسری صورت اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے ایسا کیا تب بھی سابقہ مالکین کی ملکیت ان زمینوں پر ثابت نہیں ہو سکتی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے امام ابویوسف کتاب الخراج، مطبعہ امیریہ، قاہرہ، ۱۳۰۲ھ ص ۳۵، ۳۶، محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام، قاہرہ، ۱۳۲۲ھ، الجزء الرابع، ص ۱۰۳، ابوالحسن الماوردی، الاحکام السلطانیہ، قاہرہ، ۱۹۰۹ء، ص ۱۲۲، برہان الدین علی المرغینانی، الہدایہ، لکھنؤ، ۱۸۷۰ء، المجلد الثانی، ص ۵۴۴-۵۴۵۔

ہوگئے اور اپنی زمینوں وجائدادوں کو بھی تیاگ دے گئے۔ ایسی حالت میں شیخ جلال الدین کے خیال میں سابقین مالکین کی بحالی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے[1]۔ اور اگر بعد میں کچھ لوگ آئے اور امام یا سلطان کی اجازت کے بغیر وہاں سکونت اختیار کی اور زمینوں پر قبضہ جمایا تو یہ شرعاً "تقریر الاراضی بمالکھا السابق" کی صورت نہیں بن سکتی اور نہ ان قابضین کو زمین کا مالک قرار دیا جاسکتا ہے[2]۔

ظاہر ہے کہ شیخ جلال الدین اس صورت حال کو ہندستان کے تمام مفتوحہ علاقوں پر منطبق نہیں کرسکتے تھے ان کے ذہن میں کچھ مستثنیات بھی تھے جس کی صراحت بھی انھوں نے ایک جگہ کی ہے۔ ان صورتوں میں وہ اپنے نقطہ نظر کو اس طرح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ بعض علاقوں میں فتح کے بعد وہاں کی زمینیں شرعی اصول کے مطابق سابق مالکین کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی تھیں اس کا کوئی قطعی ثبوت فراہم نہیں کہ بعد میں جو لوگ ان زمینوں پر قابض رہے یا موجودہ قابضین در اصل انھیں کے ورثہ میں سے ہیں جن پر ابتداءً یہ زمینیں بحال کی گئی تھیں[3] بلکہ اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعد میں بعض طاقتور عناصر مقامی حکام کی کمزوری کی حالت میں اصل قابضین یا ان کے ورثہ کو بے دخل کرکے ان کی زمینوں پر زبردستی قابض ہوگئے ہوں[4]۔ اس امکانی صورت کے ثبوت میں شیخ جلال الدین نے اپنے علاقہ (تھانیسر) میں بسنے والے لوگوں چوہان، تومر، بوندیار و برہمن کی مثال پیش کی ہے جو

---

[1] رسالہ دربیع آراضی ورق ۲ ب، ۳ الف، ۶ ب - ۷ الف۔

[2] حوالہ سابق، ورق ۲ ب۔

[3] حوالہ سابق، ورق ۲ ب - ۳ الف، ۱۰ الف۔

[4] حوالہ سابق، ورق ۱۰ الف - ب، ۱۳ ب، ۱۴ الف۔

رنگھر[۵] طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ یہاں آس پاس کے علاقوں میں پہلے بوندبار و برہمن۔ ہنتے تھے لیکن چوہان و تومر ذات کے لوگوں نے بعد میں ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کے قریات سے انھیں بھاگنے پر مجبور کر کے خود ان کی زمینوں پر قابض ہو گئے۔ شیخ جلال الدین کی رائے میں یہ متاخر قابضین یا ان کے ورثار، ان زمینوں کے اصل مالک نہیں قرار دیے جا سکتے[۶]۔

اس طرح مختلف انداز میں شیخ جلال الدین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندستان کی اکثر آراضی (خواہ فتح کے بعد سابق مالکین پر بحال کی گئی یا نہ کی گئی) غیر مملوکہ ہے جو لازماً بیت المال کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس نکتہ پر مزید زور دینے کے لئے انھوں نے مفتوحہ آراضی کے ساتھ سلوک کی بابت علمار کے اختلاف رائے کا بھی سہارا لیا ہے۔ وہ اپنے سابق استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ ذکر کرتے ہیں کہ اگر اس دعوی

---

۵ شیخ جلال الدین نے "رنجر" کا لفظ استعمال کیا ہے جو اصلاً رنگھر کا معرب ہے۔ معاصر مؤرخ ابو الفضل نے (آئین اکبری، جلد دوم، ص ۱۳۷-۷۵ نے رنگھر لوگوں کو پرگنہ تھانیسر (سرکار سرہند) اور پرگنہ کرنال (سرکار دہلی) کے زمیندار طبقہ میں شمار کیا ہے۔ جدید مصنفین میں سے۔ مارکام (میموائرس آف سنٹرل انڈیا، لندن، ۱۸۳۲ء جلد دوم، ص ۱۹۱) اور ایچ، ایچ، ولسن (گلاسوری آف جوڈیشیل اینڈ ریونیو ٹرمس، دہلی، ۱۹۶۸ء ص ۴۳۱) نے انھیں ہندو راجپوت کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور ابیٹسن (پنجاب کاسٹس، لاہور، ۱۹۱۶ء، ص ۱۳۹) اور کروک (ٹرائبس اینڈ کاسٹس آف نارتھ ویسٹرن فرانٹیر، دہلی، ۱۹۷۵ء، جلد چہارم، ص ۲۲۷-۲۲۸) نے انھیں نو مسلم راجپوت بتایا ہے، شیخ جلال الدین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انھیں ہندو ہی شمار کرتے ہیں۔

۶ رسالہ در بیع آراضی، ورق ۱۰ الف، ب۔

کو صحیح مان لیا جائے کہ فتح کے بعد مسلم حکمرانوں نے یہاں کی زمینوں پر سابق مالکین کا قبضہ برقرار رکھا اور یہ بھی قبول کر لیا جائے کہ موجودہ قابضین ان مالکین کے حقیقی ورثہ میں سے ہیں تب بھی اس مسئلہ میں جو کہ مختلف فیہ ہے امام شافعی کے قول پر عمل کرنا زیادہ مناسب اور مصلحت کے مطابق ہوگا۔[۱] اس مسئلہ میں امام شافعی کے مسلک کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے کہ ان کے نزدیک مفتوحہ علاقہ کی آراضی پر سابق مالکین (کفار) کا قبضہ بحال کرنا جائز نہیں ہے اور ایسا کرنے سے اس آراضی پر ان کی ملکیت نہیں قائم ہو سکتی۔ شیخ جلال الدین نے یہاں کی آراضی کی حیثیت متعین کرنے میں امام شافعی کے مسلک کی اتباع کے متعدد فوائد ذکر کیے ہیں مثلاً: کفار (قابضین) کی ملکیت کا کالعدم قرار پانا،[۲] محض کاشتکار کی حیثیت سے زمینوں سے ان کا متعلق رہنا، مسلمان بالخصوص غانمین کا کھیتی باڑی کی زحمت سے محفوظ رہنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان زمینوں پر سلطان کے اختیارات کا وسیع ہونا۔ ان فوائد کے پیش نظر شیخ جلال الدین کے نزدیک مستحسن یہی ہے کہ بادشاہ وقت امام شافعی کے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے یہاں کی آراضی کو فئی بیت المال

---

[۱] رسالہ در بیع آراضی، ورق ۳ ب، ۶ ب، ۷ ب۔

[۲] شیخ جلال الدین نے یہاں اس بات پر زور دیا ہے کہ ہندستان کے کفار زیادہ تر کفر و شرک پر اصرار، حق کی مخالفت، اسلام و مسلمانوں کے طعن و تشنیع وغیرہ جیسے حرکات و سکنات میں ملوث ہیں جو یقیناً اہل ذمہ کے اوصاف کے خلاف ہیں اس لئے ان کے حق میں آراضی کی ملکیت کا فیصلہ کرنا یا باقی رکھنا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ ملکیت عزت و وقار کا سبب بنتی ہے اور وہ اس کے مستحق نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس کے سزاوار ہیں (رسالہ در بیع اراضی، ورق ۶ ب - ۷ الف) ہندوؤں کی بابت معاصر مورخین کے بیانات اور ان کے تئیں سلاطین و ملوک کے عام برتاؤ سے جو تاثر پیدا ہوتا ہے اس کی روشنی میں شیخ جلال الدین کا یہ بیان کچھ مبالغہ آمیز نظر آتا ہے۔

قرار دے اور عام مسلمانوں کے مفاد میں ان پر اپنے اختیارات کو استعمال کرے۔[1]

رہا یہ مسئلہ کہ کیا موجودہ حکمراں کو امام شافعی کے قول کی روشنی میں سابق سلطان یا سلاطین کے فیصلے (حنفی مسلک کے مطابق مفتوحہ آراضی پر خراج کے عوض سابق مالکین کی ملکیت برقرار رکھنا) پر نظر ثانی کا اختیار ہے۔ شیخ جلال الدین نے متعدد فقہی ماخذ کے حوالے[2] اور مختلف فقہاء کے اقوال کی مدد سے یہ واضح کیا ہے کہ قاضی کے مثل امام یا سلطان کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں عام مصلحت کی رعایت سے کسی ایک فقیہ کی رائے کو منتخب کرے اور اسی کے مطابق اپنا فیصلہ نافذ کرے۔[3] خاص زیر بحث مسئلہ میں بادشاہ کے اس اختیار کو ثابت کرنے کیلئے شیخ جلال الدین نے چند ہم عصر علماء کے فتووں کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے ایک جو شیخ طیب بدھ[4] سے منسوب کیا گیا ہے یہاں بطور نمونہ

---

[1] رسالہ در بیع اراضی ورق ۶ ب - ۷ الف۔

[2] شیخ جلال الدین کے فقہی ماخذ میں قابل ذکر یہ ہیں: مختصر القدوری، الہدایہ، کنز الدقائق، شرح الطحاوی، المبسوط، المحیط وغیرہ۔

[3] رسالہ در بیع آراضی، ورق ۳ ب، ۶ الف - ۷ ب۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شیخ جلال الدین کے ہمعصر بادشاہ اکبر کے عہد میں شیخ مبارک کی تحریک پر چند علماء کے دستخط سے جو محضر جاری کیا گیا تھا اس کے چار پانچ نکات میں ایک یہ بھی تھا کہ "اگر ان مسائل میں جن میں فقہاء مجتہدین کے مابین اختلاف ہے بادشاہ اپنی صوابدید کے مطابق عوام کی بہبود و عام مصلحت کی رعایت سے کسی ایک فقیہ کی رائے کو منتخب کرکے اسی کے مطابق حکم صادر کرے تو یہ متفق علیہ ہوگا اور جملہ عوام پر اس کی پیروی لازم ہوگی۔ ملاحظہ کیجئے بدایونی، منتخب التواریخ، جلد دوم، ص ۲۷۲ - ۲۷۳)

[4] شیخ طیب کے حالات کے لئے دیکھئے۔ بدایونی، محولہ بالا، جلد اول، ص ۴۰۶ - ۴۰۷، گلزار ابرار، ورق ۲۷۸، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۳۰۔

نقل کیا جاتا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

(استفتاء) "چہ می فرمایند علماء دیندار و مفتیان شرع شعار کثرہم اللہ تعالیٰ اندر آنچہ امام من لہ الولایۃ العامۃ الکاملہ بعض ارض خراجیہ را بعد تقریر امام سابق علی اہلہا بمصلحۃ رآہا انتزاع من اہلہا می کنند و مستحقاں را می دہد من حیث الشرع الشریف امام مذکور را انتزاع ارض موصوفہ عن اہلہا ازیں جہت کہ مسئلہ تقریر ارض موصوفہ بعد فتح دار الحرب قہراً و غلبۃً مجتہدٌ فیہا است جائز باشد یا نہ و ارض موصوفہ بعد اعطاء در ملک معطی ہم در آید یا نہ جواب فرمایند۔"

(فتوی) "انتزاع جائز باشد و در ملک معطی ہم در آید"

کتبہ طیب بدہ[1]

اس طرح شیخ جلال الدین نے مختلف فیہ مسائل میں امام یا سلطان کے اختیار پر عام فقہاء کے اقوال اور مذکورہ خاص مسئلہ میں ہمعصر علماء کی رایوں کی بنیاد پر یہ باور کرانا چاہا ہے کہ بادشاہ وقت کو آراضی ہند کی بابت پیش رو سلاطین و ملوک کے فیصلوں کو کالعدم قرار دینے اور شافعی مسلک کے مطابق ان کی نوعیت متعین کرنے کا نہ صرف اختیار حاصل ہے بلکہ اس اختیار کا استعمال کرتے ہوئے وہ جو حکم صادر کرے گا وہ نافذ العمل

---

[1] رسالہ در بیع آراضی، ورق ۸ الف - ب۔ شیخ جلال الدین نے شیخ طیب کے علاوہ اپنے چچا قاضی محمد تھانیسری اور ایک دوسرے ہمعصر بزرگ و عالم شیخ اللہ داد جونپوری کے فتوی کا حوالہ دیا ہے۔ ان علماء کے حالات کے لئے ملاحظہ کیجئے اخبار الاخیار، ص ۱۸۹، گلزار ابرار، ورق ۸۹، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص ۴۱، ۳۲۰، تذکرہ علماء ہند، ص ۲۵، حدائق الحنفیہ، ص ۳۶۴ - ۳۶۵۔

بھی ہوگا۔ شیخ جلال الدین کے خیال میں بادشاہ کے اس اقدام کے نتیجہ میں ان زمینوں کا بھی مالک بیت المال ہو جائے گا جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فتح کے بعد سابق مالکین پر بحال کر دی گئی تھیں، یہ زمینیں بدستور خراجی باقی رہیں گی اور موجودہ قابضین کی حیثیت محض کاشتکار کی رہ جائے گی۔ شیخ کی رائے کے مطابق اب سلطان کو اختیار ہوگا کہ مسلمانوں میں سے جن کو مستحق سمجھے ان میں سے عطا کرے اور اگر یہ عطیۂ زمین ملک کے طور پر ہو تو اس پر معطی لہ کو مالک کے حقوق حاصل ہوں گے[1] اس کے علاوہ شیخ جلال الدین نے کچھ ایسی زمینوں کے وجود کو بھی تسلیم کیا ہے جو اولین فتح کے بعد سلطان کی جانب سے بعض غانمین یا مسلم مستحقین کو عطا کی گئی تھیں اور وہ زیر کاشت لائی گئیں۔ یہ زمینیں شیخ کی نظر میں قطعی طور پر عشری اور ان لوگوں کی ملک ہیں جنھیں عطا ہوئی تھیں۔ اسی زمرہ میں شیخ نے ان علاقوں کی آراضی کو بھی شامل کیا ہے جنھیں بعض مسلم فاتحین نے سلطان کی اجازت سے فتح کیا تھا اور وہ سلطان کی جانب سے انھیں بخش دیے گئے تھے[2] لیکن ان تینوں قسم کی آراضی یا بالفاظ دیگر عشری زمینیں شیخ جلال الدین کے اپنے اندازے کے مطابق بہت ہی کم ہیں[3] جنھیں اول الذکر نوعیت کی آراضی کی بہ نسبت کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

---

[1] رسالہ در بیع آراضی، ورق ۷ ب، ۸ الف۔

[2] حوالہ سابق، ورق ۱۰ ب - ۱۱ الف۔

[3] خود معاصر تاریخوں اور سرکاری ریکارڈ و دستاویزات میں عشری زمینوں کے حوالے بہت کم ملتے ہیں، البتہ خراجی زمینوں کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھئے اشتیاق حسین قریشی، ایڈمنسٹریشن آف دہلی سلطنت دہلی، ۱۹۷۱ء، ص ۱۰۱-۱۰۲، ۱۱۳، ۱۱۷،
قریشی، ایڈمنسٹریشن آف دی مغل امپائر، پٹنہ، ۱۹۷۳ء، ص ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۷۰، ۲۸۵،

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شیخ جلال الدین ہندستان کی آراضی کے بیشتر حصہ کو غیر مملوکہ کے زمرہ میں شامل کر کے بیت المال کی ملک قرار دیتے ہیں اور بعض صورتوں میں جہاں وہ قابضین کی ملکیت بظاہر تسلیم کرتے ہیں مشورۃً یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ انھیں بیت المال کے تصرف میں واپس لینا مصلحت کے عین مطابق اور مسلمانوں کے عام مفاد میں ہوگا۔ شیخ جلال الدین کی نظر میں اس کا سب سے بڑا عملی فائدہ یہ تھا کہ سلطان یا امام ان پر اپنے اختیارات کو استعمال کر کے مسلمانوں میں سے مستحقین کو عطایا دے سکتا تھا جس پر معطی لہ کی ملکیت بآسانی ثابت ہو سکتی تھی۔

شیخ جلال الدین کے ان خیالات کی اہمیت صحیح معنوں میں اس وقت ہو گی جب ان کا مطالعہ مدد معاش کی زمینوں کی بابت ان کے مستحقین اور حکومت کے نقطۂ نظر میں اختلاف کے پس منظر میں کیا جائے جو اکبری عہد سے پہلے ہی رونما ہو چکا تھا لیکن اس کے دور میں شدت اختیار کر گیا تھا۔ مغل بادشاہوں بالخصوص اکبر کی پالیسی کے مطابق مدد معاش کی زمینیں پانے والوں کو محض ان کے خراج سے انتفاع کا حق حاصل ہوتا تھا وہ ان میں مالکانہ حقوق استعمال کرنے کے مختار نہ تھے کسی معطی لہ کی وفات کے بعد بادشاہ کی اجازت کے بغیر یہ زمینیں اس کے ورثہ کو منتقل نہ ہو سکتی تھیں۔ دوسری جانب بادشاہ اپنے آپ کو ان عطایائے آراضی کی تجدید یا بازیابی، توسیع یا تحدید اور ان میں دیگر تصرفات کا مجاز تصور کرتا تھا۔ اور اسی اصول کے تحت بادشاہ ان میں تصرف کرتا رہتا تھا[۱] جس کی

---

[۱] آئینِ اکبری جلد اول ص ۱۴۰-۱۴۱، اکبر نامہ، جلد سوم، ص ۲۴۰ عہد وسطیٰ کے ہندستان میں مدد معاش کی آراضی کے نظم و انتظام اور ان کی بابت دیگر معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے مورلینڈ، اگریرین سسٹم آف مسلم انڈیا، دہلی، ۱۹۶۸ء، ص ۱۰، ۲۷، ۳۲، ۳۹، ۵۸، ۶۳، ۷۸، ۲۶۸-۲۶۹، عرفان حبیب، دی اگریرین سسٹم آف مغل انڈیا، نیویارک، ۱۹۶۳ء، ص ۲۹۹، ۳۰۴۔

متعدد مثالیں اکبر کے دور میں ملتی ہیں[1]۔ اس کے برخلاف بہت سے علماء بالخصوص جو مستحقین کی صف میں شامل تھے مدد معاش کی زمین معطیٰ لہ کی ملک تصور کرتے تھے۔ یہ لوگ حکومت کی جانب سے اس طرح کی آراضی کی بازیابی کو ناروا کہتے تھے اور ان میں تصرفات کو معطیٰ لہ کے مسلمہ حقوق میں دخل اندازی سے تعبیر کرتے تھے۔ ان علماء کے خیالات کی ترجمانی معاصر مؤرخ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں متعدد مقام پر کی ہے، بالخصوص ان مواقع پر جہاں مؤرخ نے مدد معاش کی زمینوں کی بازیابی وغیرہ کے سلسلہ میں اکبر کے اقدامات کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہورہا ہے کہ علماء کا ایک دوسرا طبقہ اس خیال سے متفق نہ تھا۔ جیسا کہ شیخ جلال الدین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ جلال الدین نے معاصر بادشاہ کے مذکورہ اقدامات کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، البتہ ان علماء کو کھلے لفظوں میں ہدف تنقید بنایا ہے جو مدد معاش کی زمین پر معطیٰ لہ کے حق ملکیت کے ثبوت کے قائل نہ تھے۔ بہرحال اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مدد معاش کی زمینوں میں اکبر کے انتظامی تصرفات بھی شیخ جلال الدین کے رسالہ در بیع آراضی کی تالیف کے محرک ثابت ہوئے ہوں گے۔

---

[1] اکبر نے سب سے پہلے آراضیٔ مدد معاش کی تحقیق کرائی اور اس کے نتیجہ میں غیر مستحق لوگوں سے یہ زمینیں واپس لے لی گئیں، اس کا دوسرا اقدام اس حکم کا اجراء تھا کہ سو بیگہ سے زائد جس کے پاس مدد معاش کی آراضی ہے اسے بحق سرکار ضبط کرلیا جائے (آئین اکبری، جلد اول ص ۱۹۸، بدایونی، دوم ص ۲۰۵) اس نے بعد میں ایک اور تصرف یہ پیدا کیا کہ ایک پرگنہ کی جملہ آراضیٔ مدد معاش کو یکجا کرنے کا حکم دیا اور مزید براں مدد معاش پانے والوں کے لئے یہ لازم قرار دیا کہ وہ ان قریات میں سکونت اختیار کریں جہاں ان کو یہ زمینیں دی گئی ہیں (اکبرنامہ، جلد سوم ص ۲۴۰، بدایونی، دوم، ص ۲۵۴)

شیخ جلال الدین کی بحث میں اس مقصد کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے جس کے تحت یہ رسالہ تحریر کیا گیا تھا بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مؤلف نے شریعت کی روشنی میں آراضی ہند کی نوعیت کو انداز سے متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک بنے بنائے سانچہ میں فٹ ہو جائے۔

ان سب کے باوجود یہ رسالہ اپنے موضوع پر منفرد ہے جس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور آراضی ہند پر شیخ جلال الدین کی بحث سے جو فقہی تاریخی نکات سامنے آتے ہیں ان کی اہمیت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔

قرنِ اوّل کا ایک مُدبّر

ایک حوصلہ مند عرب مُدبّر کی زندگی کا تحقیقی جائزہ جس نے اہل بیت کی حمایت اور ان کی شہادت کے انتقام کی مہم چلا کر موالی اور غلاموں کو عربوں کے سیاسی و معاشی استبداد سے نکالنے کی تحریک اٹھا کر اور مذہبی بہروپ بھر کر پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی کے ربع ثالث) میں حکومت قائم کی تھی

ضخامت : ۱۲۴ صفحات

سائز : $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$

قیمت مجلد -/6 روپے

ندوۃ المصنفین ۔ اردو بازار دھلی